پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے

سرورِ کائنات معلّم اعظم کی حیثیت سے

اسلام میں علم کا مقام

علم کی عظمت و فضیلت کسی شک و شبہ سے بالا ہے۔ آج دنیا کی ہر قوم مادی ترقی کے لیے مصروف سعی و جہد ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ترقی کی راہیں علم و فضل ہی سے کھلتی ہیں۔ علم ہی وہ کنجی ہے جس سے ارتقائے انسانی کا مقفل دروازہ کھلتا ہے۔ یہ بات آج حقیقتِ ثانیہ بن کر اقوامِ عالم کے سامنے آئی ہے مگر دینِ اسلام چودہ صدیاں پہلے ببانگِ دہل اس کا اعلان کر چکا ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

آپ فرمادیں کہ آیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں؟

دوسری جگہ فرمایا:

لَا تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ　وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ

تاریکی اور روشنی برابر نہیں اور سایہ اور دھوپ یکساں نہیں ہیں۔

آغازِ آفرینش میں جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخاطب کر کے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً " (میں زمین میں اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں) تو فرشتوں نے اس بات کی حکمت معلوم کرنا چاہی کہ انہیں نظر انداز کر کے آدم علیہ السلام کو اس منصبِ بلند پر کس لیے فائز کیا جا رہا ہے، خداوندِ عالم نے فرمایا۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ چنانچہ فریقین کے علم و فضل کو جانچا پرکھا گیا۔ حضرت آدم اس امتحان میں کامیاب

ہوئے اور خلافتِ ارضی سے نوازے گئے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بارگاہِ ربانی میں عظمت و فضیلت کا معیار ومدار صرف علم ہے۔

دینِ اسلام میں علم کو جو بلند مقام حاصل ہے اس کے کشف و اظہار کے لیے صرف یہی دلیل کافی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ ○

اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے پیدا کیا [1]

مذکورۂ صدر آیت سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ جملہ مشاغلِ حیات میں علم حاصل کرنے سے زیادہ ضروری کام دوسرا کوئی نہیں۔ ورنہ سب سے پہلے پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ چونکہ حضور کے لیے اس کائنات ارضی کا معلم اعظم ہونا مقدر ہو چکا تھا اس لیے حصول علم سے زیادہ ضروری چیز آپ کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی۔ آپ نے یہ عذر بھی پیش کیا کہ "لَسْتُ بِقَارِئٍ" (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) [2] مگر یہ عذر قبول نہ ہو سکا اور بار بار پڑھنے پر اصرار کیا گیا۔ حضور کو بارگاہِ ربانی میں یہ دعا کرنے کے لیے مامور کیا گیا:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ○

اور آپ فرما دیں کہ اے رب میرے علم کو بڑھا دے [3]

معلمِ اعظم کا عہدۂ جلیلہ

خداوندِ کریم نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء والمرسلین کے منصبِ رفیع پر فائز کیا اور وہ مرتبہ و مقام بخشا جہاں انسانی عزت و عظمت کی سب بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

ع۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

---

[1] سورہ علق

[2] بخاری شریف

[3] سورہ طٰہٰ

وہاں معلمِ اعظم کا منصب بھی عطا کیا ۔قرآن کریم میں فرمایا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

یقیناً اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے [۱]

مذکورۂ صدر آیتِ کریمہ میں حضور کے چار فرائض کا ذکر کیا گیا ہے۔

- ○ تلاوتِ آیات
- ○ تزکیۂ نفوس
- ○ تعلیمِ کتاب
- ○ تعلیمِ حکمت

۱۔ پہلا فریضہ یہ ہے کہ آپ کتابِ الٰہی کی آیات پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔

۲۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ آیاتِ الٰہی کے ذریعہ آپ ان کو اخلاقِ قبیحہ اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک کرتے ہیں۔

۳۔ تیسرا فریضہ یہ ہے کہ آپ کتاب کی تعلیم دیتے یعنی اس کے مطالب و معانی اور مندرجہ حقائق سے آگاہ کرتے ہیں۔

۴۔ چوتھا فریضہ تعلیمِ حکمت ہے۔

تلاوت و تزکیہ

مذکورہ صدر چاروں فرائض کو جداگانہ طور پر بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ چاروں امور و احکام اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو قرآن کریم پڑھ

---

[۱] آل عمران

کرجاتے یا فرماتے ہیں اس کی تلاوت کرتے تو تلاوت آیات کے فریضہ کی ادائیگی بس اسی سے ہو جاتی تزکیۂ نفوس کے لیے بڑی محنت و کاوش درکار ہے۔ تلاوتِ آیات کے ساتھ ساتھ نبی امت کے سامنے اپنی عملی زندگی اور سیرت و کردار کا نمونہ بھی پیش کرتا ہے اور اس طرح اس کی حیات طیبہ لوگوں کو اخلاق قبیحہ اور کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنے میں بڑی حد تک مدد دیتی ہے یہ تزکیۂ نفوس کا فریضہ ہے۔

تعلیم کتاب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا فرض منصبی تعلیم کتاب ہے اور اسی کے پیش نظر حضور معلم اعظم کے منصبِ عالی پر بھی فائز تھے۔ ظاہر ہے کہ تعلیم کتاب تلاوت سے مختلف ہے ورنہ دونوں کو الگ الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ خصوصاً اس کتاب میں جو چودہ صدیوں سے فصاحت و بلاغت کے بلند ترین مقام کی حامل رہی اور کائناتِ ارضی کے ادباء و بلغاء کو دعوتِ "ھل من مبارز" (کوئی میدان میں کودنے والا ہے) دیتی چلی آئی ہے، جس کا ایک لفظ تو کیا ایک شوشہ بھی معنویت و مقصدیت سے خالی نہیں۔

تلاوت اور تعلیم کتاب کے دونوں فرائض میں اس لیے بھی فرق و امتیاز پایا جاتا ہے کہ تعلیم کتاب کا ذکر تلاوت کے بعد کیا گیا ہے۔ وحی کے الفاظ سنا دینے سے تلاوت کا فرض ادا ہو جاتا ہے مگر تعلیم کا فرض ہنوز باقی رہتا ہے۔ کتاب کی تعلیم کے معنی تلاوت کی طرح کتاب کے الفاظ کا سنا دینا یا پڑھا دینا یا دوسروں کو یاد کرا دینا نہیں بلکہ الفاظِ قرآنی کی تلاوت کے بعد جو آپ کا پہلا کام تھا اس کے مشکل مطالب کو حل کرنے، مجمل معانی کو سمجھانے اور اپنی زبان اور عمل سے ان کی شرح و تفصیل کر دینے کا نام تعلیم کتاب ہے۔ یہ آپ کا تیسرا فریضہ تھا۔ آپ کی اسی زبانی و عملی شرح و تفصیل کو صحابہ اور تابعین نے اپنی روایت و عمل کے ذریعہ سے محفوظ رکھا اور وہ احادیث و سنن کے نام سے موسوم ہے۔

تعلیم حکمت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا فریضہ حکمت سکھانا ہے۔ حکمت کی تفسیر و توضیح میں اہل لغت اور مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

○ مشہور لغوی ابن درید کا قول ہے کہ:۔

"ہر وہ بات جو مجھے نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے حکمت ہے" [1]

○ جوہری لکھتے ہیں:۔

"حکمت علم اور حکیم عالم کو کہتے ہیں" [2]

○ صاحبِ لسان العرب فرماتے ہیں:۔

"بہترین چیز کو بہترین علم کے ذریعے حاصل کرنے کو حکمت کہتے ہیں" [3]

○ امام مالکؒ کا قول ہے:۔

"دین کا فہم وادراک اور اس کی پیروی حکمت ہے" [4]

○ امام شافعی فرماتے ہیں:۔

"میں نے قرآن کے ان علماء سے سنا جن کو میں پسند کرتا ہوں کہ حکمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام ہے اور آپؐ کی سنت وہ حکمت ہے جو آپؐ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی" [5]

ائمہ لغت اور علمائے قرآن کے مذکورہ صدر اقوال سے یہ حقیقت اجاگر ہوتی ہے کہ یہ سب اقوال ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال جن کے اصطلاحی نام احادیث وسنن ہیں۔ کتاب الٰہی کی عملی وزبانی تشریحات ہیں۔ کتابِ الٰہی وحیِ ربانی ہے اور احادیث وسنن سنیۂ نبوی کی الہامی حکمتوں کی ترجمان ہیں۔

---

[1] جمہرۃ اللغۃ لابن درید

[2] صحاح اللغۃ ج ۲ ص ۲۷۶

[3] لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۰

[4] تفسیر ابن جریر

[5] الرسالۃ للشافعی ص ۲۷-۲۸

امام المفسرین ابن جریر طبری اختلافی اقوال کو نقل کرنے کے بعد آخری فیصلہ یہ صادر کرتے ہیں :-

"ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ حکمت ان احکامِ الٰہی کے علم کا نام ہے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات سے معلوم ہوتے ہیں" [1]

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حکمتِ نبویؐ وہ نورِ نبوّت اور الہامی معرفت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک میں ودلیعت کیا تھا اور چونکہ آپؐ کے سنن واقوال آپؐ کی اسی ودلیعت شدہ حکمتِ نبوی کی پیداوار اور آثار ونتائج ہیں۔ اس لیے ان پر بھی حکمت کا اطلاق درست ہے۔ اس لیے یہ بات صاف ہوگئی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے بعد آخر کس حکمت کی تعلیم دیتے تھے؟ ظاہر ہے کہ جس حکمت کی تعلیم آپؐ دیتے تھے وہ خود آپؐ کے سینہ میں موجود اور محفوظ تھی۔ جو چیز انسان کے پاس نہ ہو وہ دوسروں کو کیا بخش سکتا ہے اگرچہ اس حکمت کا اصلی سرچشمہ سینۂ نبوت تھا لیکن یہ فیض حسبِ استعداد پیغمبر کی اتباع میں دوسروں کو بھی ملتا ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ سچی اور صحیح بات کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے، قبول کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ حکمت ہر نیکی کی جڑ اور ہر بھلائی کی اصل ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر دنیا میں اور کیا دولت ہو سکتی ہے؟ اس لیے قرآن کریم میں فرمایا:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت نیکی دی گئی۔ [2]

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض چہارگانہ کی تفصیلات کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی ادائیگی اور معلّمِ اعظم کے منصبِ جلیل کی کٹھن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے سلسلہ میں کیا قدم اٹھایا؟ اور اس ضمن میں کون سی مساعیٔ جمیلہ انجام دیں۔ اس کا جواب مندرجہ ذیل حقائق سے ملے گا۔

---

[1] تفسیر ابن جریر

[2] بقرہ : ۲۶۹

علم ظہورِ اسلام سے قبل و بعد

ظہورِ اسلام سے قبل عربوں میں علم کا ذوق و شوق تو کجا شرفاء میں لکھنے پڑھنے کو عیب سمجھا جاتا تھا۔ پڑھے لکھے آدمی خال خال نظر آتے تھے۔ مؤرخ بلاذری کے بیان کے مطابق مکہ کے شہر میں کل سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسلام آیا تو مسلمانوں کا ایک ایک گھر تفسیر، حدیث اور فقہ کا دارالعلوم بن گیا۔ اسلامی رو سے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ میں کچھ ایسے لوگ موجود ہوں جو تعلیم و تبلیغ کا فرض انجام دے سکیں۔

خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے عازم مدینہ ہوئے تو سراقہ نامی ایک کافر نے انعام کے لالچ میں آپؐ کا تعاقب کیا مگر آخر کار امان طلب کی۔ سفرِ ہجرت میں حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے امان نامہ لکھا۔ یہ واقعہ اس امر کی روشن دلیل ہے کہ دورانِ سفر بھی لکھنے پڑھنے کا سامان ساتھ رہا کرتا تھا۔

قرآنِ مجید میں فرمایا:-

"اور سب کے سب مسلمان تو سفر کر کے (مدینہ) نہیں آ سکتے۔ اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے تاکہ وہ علم دین حاصل کریں اور واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرائیں شاید یہ لوگ بری باتوں سے بچیں۔" [1]

عہدِ رسالت میں اشاعتِ علم

مذکورہ صدر آیت کے پیشِ نظر چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر و نواہی سے واقف ہوں بلکہ شب و روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے سے تمام تر اسلامی رنگ میں ڈوب جائے جس کی گفتار و کردار، طبیعت نشست و برخاست، قول و عمل ایک ایک چیز نورِ نبوت کے پرتو سے منور ہو تاکہ وہ تمام ملک کے لیے نمونۂ عمل بن سکے۔ اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپؐ کی خدمت میں رہ کر دینی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتی تھی۔

---

[1] سورہ توبہ ع ۱۵

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا اور آپؐ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا۔ داعیانِ اسلام جو مختلف علاقوں میں بھیجے جاتے تھے ان کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وطن چھوڑ کر مدینہ آجائیں اور یہیں آکر بود و باش اختیار کریں۔ اس کا نام ہجرت تھا۔ اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان تحصیل علم کے لیے اپنے گھروں سے ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری آئے تو اسّی شخصوں کو لے کر آئے اور مدینہ میں آباد ہوئے۔"

عہدِ نبویؐ کا نظامِ تعلیم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر و عہد میں تعلیم و تدریس کے مختلف طریقے تھے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ باہر سے آنے والے کچھ عرصہ خدمتِ اقدس میں رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسائل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبائل میں واپس جا کر ان کو تعلیم دیتے تھے مثلاً مالکؓ بن حویرث نے مدینہ آکر بیس دن قیام کیا اور ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ جب واپس جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا:-

"اپنے خاندان میں واپس جاؤ۔ ان میں رہ کر ان کو دینی مسائل سکھاؤ اور جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح نماز پڑھو۔" [1]

اصحابِ صفہ

سالارِ رسل صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا طریقِ تدریس یہ تھا کہ لوگ مستقل طور پر آکر مدینہ میں سکونت پذیر ہوتے اور علمِ دین حاصل کرتے تھے۔ مسجدِ نبوی کا صحن جسے صفہ کہا جاتا تھا۔ ان کی درس گاہ تھی۔ اس میں زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیوی تعلقات سے آزاد ہو کر شب و روز خدمتِ علم میں مصروف رہا کرتے تھے۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں روایت

---

[1] بخاری شریف

ہے کہ :۔

"ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس وقت مسجد میں دو حلقے تھے۔ ایک حلقۂ ذکر۔ دوسرا حلقۂ درس۔ آپؐ حلقہ درس میں بیٹھ گئے اور فرمایا مجھے خدا نے معلم بنا کر بھیجا ہے۔"

ان طلابِ علم کو قرار کہتے تھے۔ قبیلہ عرینہ میں جو لوگ تبلیغ و تعلیم کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درس گاہ کے تربیت یافتہ تھے۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ :۔

"ان لوگوں میں سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اس جماعت سے نکل آتا تھا اور ان کے بجائے دوسرے لوگ شامل ہو جاتے تھے۔"

اصحاب صفہ صرف راہِ علم ہی کے جادہ پیما نہ تھے بلکہ میدانِ جہاد کے غازی بھی تھے۔ چنانچہ وہ غزوات میں حصہ لیتے اور دادِ شجاعت دیتے تھے۔

اصحابِ صفہ اگرچہ زر و مال سے بہرہ ور نہ تھے تاہم صبر و قناعت اور سکون و اطمینان سے ضرور مالامال تھے۔ فقر و افلاس کا یہ عالم تھا کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ جس کو گردن سے باندھ کر گھٹنوں تک چھوڑ دیتے تھے۔ وہ چادر اور تہبند دونوں کا کام دیتا تھا جفاکشی کی حد یہ تھی کہ جنگل میں جا کر لکڑیاں چن لاتے تھے اور ان کو فروخت کر کے آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اپنے ہم مکتب بھائیوں کے ساتھ مل کر کھاتے تھے۔ اس درس گاہ کے فاضل معلمین میں مشہور صاحب علم صحابی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کو حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں قرآن و فقہ کی تعلیم کے لیے فلسطین بھیجا تھا۔ لعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درس گاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہاں اصحابِ صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسندِ امام احمد بن حنبلؒ میں ہے :۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اصحابِ صفہ میں سے ستر شخص رات کو ایک معلّم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس میں مشغول رہتے تھے۔"[1]

---

[1] مسند احمد جلد ۳ ص ۱۳۰

عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا۔ جب اسلام آیا تو تحریر و کتابت کا فن بھی گویا ساتھ لے کر آیا۔ سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط و تدوین کی تھی۔ نظر بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی۔ بغزوۂ بدر میں قریش کے کچھ آدمی گرفتار ہوئے جو لکھے پڑھے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:-

"اگر تم دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دو تو تم آزاد ہو"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی نگاہ میں لکھنے پڑھنے کو کیا اہمیت تھی۔ ابو داؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس میں لکھنا بھی داخل تھا۔ چنانچہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید پڑھانے کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مدینہ منورہ کا اوّلین مکتب

سنہ ۱۲ھ (بعثت نبوی) کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ سے کچھ انصار حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے۔ ان میں سے بارہ حضرات نے منیٰ کے قریب عقبہ اولیٰ کے پاس رات کو آپؐ سے ملاقات کی۔ ان بارہ آدمیوں میں پانچ آدمی تو وہ تھے جو پچھلے سال اسلام لا چکے اور بیعت کر چکے تھے۔ ان کے علاوہ سات آدمی نئے تھے۔ ان سب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس وقت تک مدینہ منورہ کے صرف بارہ آدمی ہی مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ان بارہ آدمیوں کی کوشش سے کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور جب مسلمانوں کی تعداد ۴۰ نفوس تک پہنچ گئی تو مدینہ والوں نے آپؐ کو اطلاع بھیجی اور لکھا کہ:-

"ہمارے پاس کوئی ایسا آدمی بھیج دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھا سکے"

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ یہ مدینہ منورہ کا پہلا مکتب تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وہاں قائم ہو چکا تھا اور جس کے معلم حضرت مصعبؓ بن عمیر تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ مکتب کوئی نئی چیز نہ تھی۔ یہودیوں کے مکتب اور مدرسے اس سے پہلے بھی وہاں موجود تھے [۱]

---

[۱] حیات سید العرب ج ۱ ص ۲۱۵

جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو برابر یہ کوشش فرماتے رہے کہ مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ لکھنے پڑھنے کا رواج ہو سکے۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "الاصابہ فی اسماء الصحابہ" میں حکم بن سعید بن العاص کے حالات میں لکھا ہے:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا تھا اور انہیں یہ حکم دیا تھا کہ وہ اہل مدینہ کو لکھنا سکھائیں کیونکہ وہ ایک اچھے کاتب تھے۔"[1]

غیر زبانوں کی تعلیم

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بنا کردہ مدارس میں زیادہ تر قرآن و حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تاہم اس کے علاوہ دوسری زبانوں کو سیکھنے کی ترغیب بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ ابوداؤد اور ابن ابی شیبہ نے حضرت زید بن ثابت کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس مختلف خطوط آتے رہتے ہیں میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کسی دوسرے آدمی سے یہ خطوط پڑھوائے جائیں۔ کیا تم عبرانی سیکھ سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں سیکھ سکتا ہوں۔ چنانچہ میں نے وہ زبان سترہ دنوں میں سیکھ لی تھی۔"[2]

مؤرخین اور محدثین نے بیان کیا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صرف عبرانی اور سریانی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں بلکہ ان کے ساتھ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی جانتے تھے۔ اور ان زبانوں کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ترجمانی کے فرائض انجام دیتے تھے۔ یہی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتبین وحی میں سے بھی ہیں۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے کاتبین وحی تھے جن کی تعداد کم از کم تیس یا چالیس تک پہنچتی ہے۔

ان تصریحات سے اس علمی شغف کا ایک سرسری سا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کے فروغ دینے سے تھا۔ مختلف علاقوں میں جو حاکم اور گورنر مقرر کر کے بھیجے

---

[1] حیات سید العرب ج ۴ ص ۲۷۸

[2] ایضاً ص ۲۷۲ بحوالہ ابوداؤد

جاتے تھے۔ ان کے فرائض میں تعلیم قرآن و سنت بھی شامل ہوتی تھی۔ بعض مقامات پر دو دو گورنر مقرر کر کے بھیجے جاتے تھے۔ ایک گورنر کے ذمہ انتظامی معاملات ہوتے تھے اور دوسرے گورنر کے ذمہ تعلیم و تربیت کے معاملات ہوا کرتے تھے۔ وہ حاکم اور گورنر سے زیادہ معلم اور مبلغ ہوتے تھے جو اپنے ماتحت علاقوں میں علم کی روشنی بھی پھیلاتے تھے۔

تحصیلِ علم سے متعلق حضورؐ کے ترغیبی ارشادات

خاتم الانبیاء و المرسلین کے مندرجہ ذیل زریں ارشادات اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ علم کو بارگاہِ نبویؐ میں کیا مرتبہ و مقام حاصل ہے۔

"علم کی تلاش ہر مسلم پر فرض ہے"۔[۱]

"عالم کی مثال زمین میں ایسی ہے جیسے آسمان پر ستارے کہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ان سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ اگر ستارے ماند پڑ جائیں تو راہنما بھی راستہ سے بھٹک جاتے ہیں"۔[۲]

"خدا جس آدمی کے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے"۔[۳]

"جو شخص طلب علم کے لیے اپنے گھر سے نکلے تو جب تک وہ واپس نہ آجائے اس کا درجہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہوتا ہے"۔[۴]

"ہر عاقل کی بات مومن کی کھوئی ہوئی دولت ہے وہ اسے جہاں سے بھی مل جائے حاصل کر لینی چاہیے کیونکہ وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے"۔[۵]

"عالم کی مثال عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم سے ایک ادنیٰ مسلم پر ہے

---

[۱] طبرانی بروایت ابی سعید و ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

[۲] مسند احمد از انسؓ

[۳] بخاری و مسلم

[۴] ترمذی از ابن عباسؓ

[۵] ترمذی از ابوہریرہ۔

اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں سمندر میں اس آدمی کے لیے دعائے رحمت کرتی ہیں جو لوگوں کو کوئی بھلائی کی بات سکھا دے۔" [1]

"ایک مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے نیک اعمال میں سے جو چیز پہنچتی ہے وہ علم ہے جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ وہ صالح اولاد ہے جو اس نے پیچھے چھوڑی، یا قرآن جو اس نے کسی کو دیا یا کوئی مسجد تعمیر کردی یا مسافر خانہ تعمیر کیا یا نہر کھود دی یا صدقہ جو اپنی صحت اور زندگی میں دیا وہ اس کی وفات کے بعد اس کو ملے گا۔" [2]

اشاعتِ علم میں مسلمانوں کا حصہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ صدر ارشادات کا اثر یہ ہوا کہ لوگ طلب علم کی لگن میں بڑی سے بڑی آزمائشوں سے بھی نہیں گھبراتے تھے اور ایک ایک بات کا علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز کے سفر تک انکے لیے معمولی بات بن گئے تھے۔ خلافت راشدہ کے دور میں درس و تدریس کی نئی راہیں کھلیں۔ باقاعدہ معلم مقرر کیے گئے جن کو بیت المال سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ بعد کے تاریخی ادوار میں مسلمانوں نے علم اور علماء کو ہمیشہ قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا۔ علم کی اشاعت مکاتب کی تعمیر اور تصنیف و تالیف کی حوصلہ افزائی کرنے سے کبھی دریغ نہ کیا۔ مدارس کی تعمیر کا سلسلہ اسلام میں عہدِ نبوی سے شروع ہوا۔ مسجد نبوی اور اس کا سائبان جسے صفہ کہتے تھے اولین اسلامی یونیورسٹی تھی۔ معلمِ اعظم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اولین استاد تھے اور اصحابِ صفہ اس یونیورسٹی کے اولیں طلبہ تھے۔

بہرحال یہ تھا وہ نظامِ تعلیم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت میں رائج تھا۔ ان تفاصیل سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تعلیم و تعلم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی پیشہ ورانہ مشغلہ نہیں تھا جس سے کوئی ذاتی نفع اندوزی مقصود ہو بلکہ یہ ایک خالص دینی

---

[1] ترمذی از ابی امامہ

[2] ابن ماجہ و بیہقی

ادارہ تھا جو تکمیلِ انسانیت، رضائے الٰہی اور خدمت خلق کے جذبہ کے پیش نظر جاری تھا اور آج تک جاری ہے۔ اس نظامِ تعلیم کو ہمارے موجودہ نظامِ تعلیم سے کوئی نسبت نہیں جو ایک خالص پیشہ ورانہ مشغلہ بلکہ ذریعۂ تجارت بن چکا ہے۔

یہ امر بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نظر اور آپؐ کے مکتب ہی کی کرامت تھی جس نے ابوبکرؓ و عمر اور عثمان و علی رضوان اللہ علیہم جیسے تلامذہ پیدا کیے۔ جب حصولِ علم کی غرض و غایت بدل گئی، علم کا مقصد رضائے الٰہی کے بجائے تحصیل عز وجاہ کبر و غرور، نمود و نمائش اور شکم پروری قرار پایا تو وہی علم جس نے ابوذر غفاریؓ، بلال حبشیؓ اور ابوہریرہ دوسیؓ جیسے خدا دوست پیدا کیے تھے ایسے انسانوں کو بروئے کار لایا جو خدا سے باغی۔ رسولؐ سے دور اور دین سے نفور ہیں۔ جب علم اور دین باہم مربوط تھے اس وقت رازی، غزالی، بوعلی سینا اور ابن رشد پیدا ہوئے تھے اور جب علم نے دین سے منہ موڑ لیا تو زکوٰۃ کو ٹیکس، معراج النبیؐ کو افسانہ اور قرآن کو کلامِ بشر کہنے والے پیدا ہو گئے۔ عربی کی شُدبُد رکھنے والے مفسّرِ قرآن بن بیٹھے۔ یہ ہے دین نظامِ تعلیم کی ادنیٰ کرشمہ سازی ہے اور جب تک اس نظام کا کایا پلٹ نہ ہو جائے اس سے اسی قسم کے برگ و بار پیدا ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

حضرت علامہؒ نے سچ فرمایا۔

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدائے لا الٰہ الا اللہ

اطلاع

آئندہ ماہ (اکتوبر) کو ترجمان الحدیث کی جلد ثانی مکمل ہو رہی ہے۔ جن خریداروں کی جلد ثانی نامکمل ہو وہ مطلوبہ پرچے دفتر سے منگوا سکتے ہیں

(ناظم دفتر ترجمان الحدیث ۷، ایبک روڈ لاہور)